غلامی: مہذب اور غیر مہذب دنیا کی مشترکہ قدر

تحریر: سہیل احمد لون

چند روز قبل برطانوی اخبار میں خبر شائع ہوئی تھی کہ برطانیہ میں جرائم کی شرح میں مجموعی طور پر کمی آئی ہے۔مگر فراڈ، چوری اور جنسی تشدد کے واقعات رپوٹ ہونے میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے۔فراڈ میں اکثر واقعات حکومت سے ناجائز بینیفٹ لینے کے حوالے سے ہوتے ہیں، مشرقی یورپ کے ممالک کا یورپین یونین میں شامل ہونے کے بعد بینیفٹس فراڈ کے واقعات کی شرح بڑھی ہے۔جس کی بنیادی وجہ حکومتی اداروں کا آپس میں مطابقت نہ ہونا ہے۔اس کے برعکس دیگر یورپی ممالک خاص طور پر جرمنی میں تمام ادارے جن میں انکم ٹیکس، دفتر روزگار و رہائش، ادارہ صحت، امیگریشن، فارن آفس، پولیس و انٹیلی جنس ادارے وغیرہ کمپیوٹرائزڈ نیٹ ورک سے ایک دوسرے سے منسلک (Centeralized) ہوتے ہیں۔کسی شخص کے بارے میں تحقیق کرنی ہو تو اس کا نام، تاریخ پیدائش سے سارا ریکارڈ چیک کر سکتے ہیں۔یورپ کے دیگر ممالک کی طرح برطانیہ بھی ایک فلاحی ریاست ہے جہاں روٹی، کپڑا، مکان، صحت اور تعلیم جیسی بنیادی سہولیات کا ذمہ ریاست کی ذمہ داری ہے۔چونکہ یہاں نظام اتنا فول پروف نہیں اسی لیے ناجائز فائدہ اٹھانے والوں کے لیے برطانیہ باعث کشش ہے۔چوری کے واقعات میں ملوث پائے جانے والوں میں زیادہ تعداد کم عمر نوجوان طبقے کی ہوتی ہے جن کے لیے قانون اتنا سخت نہیں۔اس کے علاوہ چور کا سابقہ ریکارڈ اچھا ہو اور رویہ جارحانہ نہ رہے تو پولیس وارننگ دے کر چھوڑ دیتی ہے یا 80£ کا جرمانہ کر دیا جاتا ہے جو آسان اقساط میں ادا کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔اگر عادی مجرم ہو تو اسے گرفتار کر کے تھانے لیجاتے ہیں جہاں تقریباً 8 سے 10 گھنٹے کی کارروائی کر کے چھوڑ دیا جاتا ہے۔اگر معاملہ زیادہ سنگین ہو تو عدالت میں پیش کیا جاتا ہے جہاں مکمل ثبوت اور گواہوں کے بیانات کی روشنی میں فیصلہ کیا جاتا ہے مگر سزا دیتے وقت شاید اس بات کو بھی مدنظر رکھا جاتا ہے کہ برطانوی جیلوں میں قیدیوں کے لیے جگہ بہت کم ہے۔اس لیے جیل بھیجنے سے زیادہ کمیونٹی ورک کرنے کی سزا دی جاتی ہے اگر جیل بھیج بھی دیا جائے تو چند روز سے عادی مجرم کو کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔وہ اپنا پیشہ وہیں سے شروع کرتے ہیں جہاں سے وہ چھوڑ کر گئے ہوتے ہیں۔جنسی تشدد کے واقعات میں اضافہ کی ایک وجہ آزادی کے نام پر بے راہ روی ہے۔بچوں کے حقوق اور والدین کے فرائض کے قوانین پر اگر عمل نہ ہو تو ایکشن سخت لیا جاتا ہے مگر بچوں کے فرائض اور والدین کے حقوق کے بارے میں کوئی بات نہیں کر سکتا۔اساتذہ، والدین اور بچوں کے درمیان حقوق و فرائض کا عدم توازن بچوں کو اتنا با اختیار کر دیتا ہے کہ وہ بے راہ روی کا شکار بھی آسانی سے ہو جاتے ہیں۔کم عمری میں ایڈوانس دنیا کی تمام آسائشوں سے مزہ لینے کے چکر میں اکثر ایسے ہاتھوں کا آلہ کار بھی بن جاتے ہیں جو ان سے جنسی زیادتی بھی کر دیتے ہیں۔اس مکروہ فعل میں ہر نسل کے لوگ پائے جاتے ہیں گزشتہ دنوں چائلڈ سیکس گرومنگ میں ملوث برٹش پاکستانیوں کو جیل بھیجا گیا۔ابھی یہ خبر پرانی نہیں ہوئی تھی کہ معصوم بچی سے بدفعلی میں ملوث ایک اور پاکستانی کی خبر برطانوی میڈیا نے خوب نشر کی۔ 84 سالہ الیاس اشعر پر الزام ہے کہ اس نے جون 2000ء میں 10 برس کی بچی کو کسی 20 برس کی لڑکی کے پاسپورٹ پر پاکستان سے بذریعہ ہیتھرو ائیرپورٹ لندن اپنے گھر لایا۔

بچی گونگی اور بہری تھی جس کو اپنے ساتھ گھر میں رکھ کر حکومت سے بینیفٹ لیتا رہا، بچی کو غلام بنا کر گھر کے کام کاج کروائے گئے، اسے سٹور کے طور پر استعمال ہونے والے طے خانے میں رکھا گیا۔اس کے ساتھ ظلم وتشدد کے ساتھ ساتھ جنسی زیادتی بھی کی گئی۔ بچی کیونکہ یہاں کے گونگے بہروں والی مخصوص اشاروں والی زبان نہیں جانتی تھی لہذا کسی کو بتا نہ سکی۔ اب وہ یہاں پر استعمال ہونے اشاروں کی زبان کچھ حد تک جان گئی تو اس نے اپنے ساتھ پیش آنے والے ظلم وستم کی داستان عدالت میں بیان کردی۔ اس جرم میں الیاس اشعر کی 68 برس کی زوجہ طلعت اشعر اور 46 سالہ فائزہ اشعر کو بھی شریک جرم قرار دیا گیا۔اس خبر کے بعد ذرائع ابلاغ انسانی سمگلنگ اور بردہ فروشی کے خلاف باقاعدہ مہم کا آغاز کردیا۔عوام سے درخواست کی گئی کہ اگر کوئی بھی ایسی مشکوک سرگرمی میں ملوث کسی کو دیکھے تو مخصوص ہاٹ لائن پر کال کریں۔انسانی سمگلنگ اور بردہ فروشی بھی 2 طرح کی ہوتی ہے ایک میں سمگل ہونے والے کی اپنی یا اس کے گھر والوں کی مرضی شامل ہوتی ہے جبکہ دوسری قسم میں سمگل ہونے والا یا اس کے گھر والے اس بات سے نا آشنا ہوتے ہیں۔مگر دونوں قسموں میں بنیاد معاش ہی ہوتی ہے۔اپنا ملک، شہر اور گھر سب کو پیارا ہوتا ہے، اچھے مستقبل کے حصول میں بہت سے لوگ گھر چھوڑنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔جس کے لیے اپنی جان داؤ پر بھی لگا دیتے ہیں، بعض اوقات غلامی کا طوق بھی گلے میں ڈالنے سے گریز نہیں کرتے۔چند روز قبل اٹلی کے بارڈر پر غیر قانونی طور پر داخل ہونے کی کوشش میں درجنوں افراد سمندر میں ڈوب کر ہلاک ہوگئے کیونکہ لانچ میں زیادہ افراد سوار تھے۔ امریکہ، یورپ، برطانیہ سمیت تمام ترقی یافتہ ممالک میں ایسے غلاموں کی بڑی تعداد موجود ہے جنہیں چند سکوں کے بدلے تاحیات غلامی کا تحفہ دیا جاتا ہے۔وطن عزیز میں امراء کے گھروں میں ایسے غلاموں کی بڑی تعداد ملے گی جنہیں ان کے گھر والے معاشی حالت ابتر ہونے کی وجہ سے خود چھوڑ کر آتے ہیں۔ جہاں ان کے آقا جیسا مرضی سلوک کریں۔جنگل کا بادشاہ شیر کو کہا جاتا مگر کبھی چڑیا گھر کا بادشاہ شیر کو نہیں کہا گیا کیونکہ وہاں تو وہ غلامانہ زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے آزادی اور غلامی کا اثر انسانوں میں ہی نہیں حیوانوں میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔بدقسمتی سے غلامی کی تاریخ انسانی تاریخ کی عمر ایک ہی ہے۔ازل سے ہی طاقتور انسان، قبیلہ، ملک یا ریاست کمزور کا استحصال کرنے کے لیے غلامی کی زنجیر پہناتا رہا ہے۔دنیا کے تمام مذاہب میں غلامی "حلال" ہے۔دیگر مذاہب کے مقابلے میں اسلام میں غلام سے اچھا اور برابری کا سلوک کرنے کا حکم ہے۔اگر غلامی نہ ہوتی تو یونانی تہذیب اور رومی سلطنت کے جدید یورپ وجود میں نہ آتے، کوئی رومی ایمپائر تشکیل نہ پاتی، لندن زیرزمین ریلوے کا وجود نہ ہوتا۔تاریخ گواہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی مصر کے بازار میں فروخت کیا گیا۔

دیار مصر میں دیکھا ہے میں نے دولت کو

ستم ظریف پیامبر خرید لیتی ہے

انسانی حقوق کے علمبردار ممالک میں بھی انسانوں کو غلام بنانے کا رواج آج بھی ویسا ہی ہے جیسا تہذیب یافتہ کہلوانے سے قبل تھا۔الیاس اشعر سے پہلے بھی کئی بار ایسے کیسز برطانیہ میں منظر عام پر آچکے ہیں جہاں انسانوں کو غلام بنا کر گھر قید کرکے ان سے جنسی اور جسمانی تشدد گیا۔ان میں برطانوی لوگ بھی ملوث پائے گئے۔الیاس اشعر کا واقعہ اس لحاظ سے انفرادیت کا حامل ہے کہ اس میں غلام بنا کر جسمانی اور

جنسی تشدد کا شکار ہونے والی مظلوم گونگی اور بہری ہے۔ ایسے انسان تو زیادہ ہمدردی کے حقدار ہوتے ہیں مگر الیاس اشعر جیسے لوگ جب وحشی بن جاتے ہیں تو وہ حیوان سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں۔ کیا دنیا پر حکمرانی کرنے کا خواب دیکھنے والے، انسانی حقوق اور آزادی کی بات کرنے والے منافقانہ رویہ رکھنے والے صدیوں سے بنی ہوئی غلامی کو ختم کرنے کا حقیقت میں سوچ سکتے ہیں؟ یا پھر ابھی انسان کو غلامی میں کچھ صدیاں اور گزارنا ہوں گی مگر یاد رکھیں

ہاتھ میں لیے ہوئے شمع یقین آئیں گے

اب پیغمبر نہیں آئیں گے ہم آئیں گے

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔ سرے

21-10-2013.

sohailloun@gmail.com